اس موجودہ بحران کا جائزہ لینے سے ہم ایک بہت ہی اہم نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ایک ایسے ملک میں جس کی اکثریت نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہے اس کو کسی دوسرے ملک پر حملے، اس کی بنیادی ساخت کو تباہ کرنے اور اسکے عوام کو بموں کا نشانہ بنانے اور سینکڑوں بچوں کا قتل عام کی آزادی دی گئی ہے اور اسی طرح وہ نیوکلئیر اسلحے سے بھی لیس ہے جب کہ اس کیساتھ کسی بھی قسم کے نیوکلئیر معاھدے کا اتفاق نہیں کیا گیا ہے۔ اپنے نوکلئیر اسلحے کا استعمال اب ان کیلئے کوئی نظریاتی مسئلہ نہیں رہا۔ وہ قانون اور منطق کے حدود سے کافی حد تک تجاوز کر چکے ہیں. ایران کیساتھ نیوکلئیر اسلحے پر ضروری معاھدے سے پہلے اس بدمعاش ملک کو لگام لگانا لازمی ہے ورنہ خطرناک نتائج کا بھگتنا یقینی ہے۔

ان سب کچھ کے باوجود الزام اسرائیل پر نہیں آتا۔ کنسنٹریشن کیمپوں میں مصیبتیں جھیلنے والے آباؤ اجداد سے کھیں زیادہ لرزہ خیز تاریخی مقدر کا ان کے موجودہ عوام کو سامنا کرنا ہے جو آباؤ اجداد کی طرح پولینڈ کے شھر وارسا کے ان الگ تلگ در و دیوار والے شھروں میں نہیں بلکہ اپنے آپ کو قومی 'غتّوں' میں پاتے ہیں. اس دیوار کے حدود سے باھر نہ صرف جرمن اور روسی ان سے نفسیاتی اور ذھنی نفرت کرتے ہیں بلکہ ان کے تمام پڑوسی مثلا مصری، اردنی، لبنانی اور مسکین فلسطینی اپنے بےریاست حدود میں ان سے نالاں ہیں.

جس چیز کا ہم مشاھد کر رھے ہیں وہ ایک عمر کی انتھا ہے اور اس طرح ایک بڑی نئی مصیبت یعنی سیاسی پارٹی والی جمھوریت کے زوال کی ابتدا ہے۔ جدید دنیا کی حقیقی لادینیت کا راز حکومتی امور کا دین سے جدائی نہیں ہے بلکہ حکومتی اختیار سے مالیاتی نظام کی جدائی ہے۔ ایک سیاسی حکومت کا وجود جس کا انتخاب ایک عالمی ڈیلرشپ کرتا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ مالیاتی دولت اور مارکیٹ کنٹرول کے ایک مطلق العنان نظام جو کہ نہ صرف سرکاری دائرہ اختیار سے باھر ہے بلکہ ریاست کو حکم جاری کرنے کا مجاز ہے۔ یہ ایک سازشی نظریہ نہیں ہے بلکہ اس مشھور سیاسی نمونے کا براہ راست نتیجہ ہے جس کا ثبوت ایک طرف تو "جمھوری" سیاسی لیڈرشپ ہے جو بالکل ھی بے بس ہے اور دوسری طرف کسی بھی مشھور انتخاباتی نظام کا غیر منتخبہ مالیاتی نظام ہے اور جس کا نام ابھی تک ہم جانتے بھی نہیں ہیں. ہم 'دنیا کے امیرترین شخصیات' سے تو متعارف ہیں مگر ان کا کردار محض کھلاڑیوں کا سا ہے۔ ایک سلسلہ وار طریقے سےآپس میں جھکڑے ہوئے کارپوریشنوں، ھولڈنگ کمپنیوں اور ان کے ذیلی شعبوں میں اصل دولت کی جال بچھائی گئی ہے۔ اس اھرامی نظام پر قابض قوت کے پاس بنیادی اختیار ہے۔ حال میں ایک بینکار نے مونسانٹو کارپوریشن کے 'مالکوں' کا سراغ لگاناً چاھا تو اپنی مھارت سے وہ ایک ایسے مقام پر پھنچا کہ جھاں پر مونسانٹو کا ماڈل بھت سے دوسرے کارپوریشنوں، اکیڈمیک فاؤنڈیشنوں اور ریسرچ سنٹروں میں غائب ہوتا گیا۔

لبنان کے مسئلے میں نام نھاد عالمی لیڈروں کی مانی ہوئی بے بسی نے اھل دنیا کو سراسیمہ کر دیا ہے۔ سینٹ پٹربرگ میں افسانہ آمیز (افسانہ آمیز کیونکہ ان کا دعوی کہ وہ مارکیٹوں کو کنٹرول کرتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے) جی ایٹ کانفرنس کے شرکا اس معمولی سی ریاست کو بین الاقوامی قانون کے خلاف بغاوت کی سزا دینے کی خاطر کچھ مزید قیام کرنے کی بجائے جلدی سے منتشر ہوگئے۔ ۱۹۴۵ کے بعد والے عالمی نظام کا واقعاتی مطالعہ ظاھر کرتا ہے کہ سربرینیکہ اور نئے لبنان کی المناک اور خونریز بربادی پر اس کا اختتام ہوا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دنیاے سیاست کی ان چیدہ شخصیات کے حیاتیاتی مطالعہ سے آشکار ہوتا ہے کہ وہ اسی ناکام سیاسی نظام کی ناامیدی کی حد تک ناقص پیداوار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ھمیشہ پست طبقہ ہم پر حکمرانی کرتا آیا. چوھے چڑیا گھروں کے حکمران بن گئے ہیں. آج بھی مغرب کی یونیورسٹیوں میں سرکاری پروفیسروں کی وساطت سے مارکس نظریے والے تجزیے پڑھائے جاتے ہیں جو بخوبی اس نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہیں جو اس بات کو یقینی بنا دے کہ نئی نسل ھمارے اس موجودہ معمے کو دیکھنے کے قابل نہ رھے۔ مارکس کے اس اصول نے لنین اور سٹالین کو جنم دیا. اس نے پرولٹیریٹ کو شان شوکت بخشی اور جیسا کہ میکسیما گورکی نے کھا ہے کہ اتھاہ گھرائیوں سے ایک ایسی قیادت نکال لائی گئی جس کا تعلق نچلے طبقے سے تھا اور جلد حکمرانی کیلئے ڈیکٹیٹرشپ کا مطالبہ کرنی لگی.

ھماری موجودہ صورت حال ہم سب کو ایک ناگزیر طویل جمود کی طرف دھکیلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کی

علت یہ ھے کہ ھم سوچتے ھیں کہ فلاں صدر یا وزیر اعظم اچھا نہیں ھے۔ پھر ھم خیال کرتے ھیں کہ اس کے مخالف کو اس کا قائم مقام ھونا چاھئے۔ یہ نہ اس کی نفاست ھے اور نہ کمزوری. بلکہ حقیقت یہ ھے کہ سیاسی قیادت ھماری نچلے طبقے سے آئی ھے۔ اگر حکمرانی طبقہ بالا کے اختیار میں دے دیجائے پھر بھی اس سے طبقہ زیریں کے افراد یعنی مایوس کن منتخب نمائندے اس پر حکمرانی کرتے نظر آئینگے۔

مخصوص طبقے کی حکمرانی کا نظام یعنی قیادت کرنے والے خاندان جو خود کو عوام کا محافظ اور ان کے جملہ امور کا ذمہ دار سمجھتے ھیں انھوں نے اپنی اولاد کو عوام الناس کی خدمت اور بحالی امن کے مقدس فریضے کی تربیت دے رکھی ھے۔

روشن فکر اور تعلیم یافتہ طبقہ کس طرح نچلی سطح کے عوام کی حکمرانی قبول کر سکتا ھے۔ حکمرانی تو ایک مقدس فریضہ ھے۔

روس: اقتدار سے پھلے پوٹین ایک ماتحت زینہ 'لوبیانکا کے کے جی بی' والے جیل کے کارکن کے طور پر کام کرتا رھا۔ وھاں اس نے شکنجہ کرنے والے شعبے میں ملازمت نہیں کی بلکہ دفتری امور سرانجام دیتا رھا مگر اس نے قیدیوں کی آزار رسانی کے وقت چیخ و پکار ضرور سنی ھوگی. اس نے الکحل کی عادی شخص سے کرسی صدارت کا چارج لیکر سنبھالا جو زار روس بن کر کیٹھرین علی مقام کے بستر پرآسائش پر سونے کا خواب دیکھ رھا تھا۔
برطانیہ: وزارت عظمی سے قبل ٹونی بلئیر کوئی اھم شخص نہیں تھا۔ کسی بھی کارپوریشن کے نفسیاتی کلئیرنس ٹسٹ میں کامیاب ھو کر نہیں نکل سکا۔ لیکن اس نظام کے اتفاقی پھلو سے اس نے بھی ایک الکحل کے عادی شخص سے زمام حکومت کا چارج لے لیا۔ اتفاق سے جس کو بذات خود ایک ایسے نادان شخص سے حکومت ملی تھی جس کو رائے دھندگان نے بھی مسترد کیا تھا۔ عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا ھوکر اس نے ایک انتھائی بے مھارت شخص لارڈ چانسلر کو مقرر کر دیا اور پھر اس نے پانچ سو سالہ قانونی روایت کو روند کر کے رکھ دیا۔
امریکہ: صدر بش امریکہ کے بین الاقوامی خفیہ پولیس کے سابق ڈایریکٹر کا فرزند ھے۔ ڈرافٹوں کے معاملات میں بزدلانہ طور پر خرد برد کرنے والا اور آج تک الکحل اور کوکین کے استعمال کا خوگر ھے اور دوران گفتگو جملوں کی ساخت میں مشکلات سے دوچار ھوتا رھتا ھے۔
جرمنی: انجلا مرکل وہ ناتجربہ کار شخصیت ھے جس نے جرمنی کیلئے ایک پارٹی والی ریاستی حکمرانی کو قبول کیا ھے۔ عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا ھوکر اس نے اپنے آپ کو چھوکرہ بنایا ھوا ھے۔

اور اس طرح دوسرے ممالک کے حکمرانوں کا بھی تجزیہ کیا جا سکتا ھے۔ ایک ایسی لیڈرشپ کی نااھلیت اور حالیہ سیاسی نظام کے اتفاقات کی ایک اور بھترین مثال امریکہ کی سکریٹری آف سٹیٹ ھے۔ اس کے ھیجڑاپن نے اس کو نہ عزت سے نوازا اور نہ تعمق نظر سے۔ اس کی جانب سے ایک طاقتور قوم کی قوت کی نمائندگی کرنے کی کوشش میں ذلت آمیز اور عدم قبولیت کا پھلو شامل ھے۔ ھمیں یہ سوال ضرور پوچھنا چاھئے کہ وہ دندان نمائی کس بات کی غماز تھی جب وہ اسرائیلی اور لبنانی لیڈرشپ کیساتھ میز پر نشست آرا تھی. قومی لیڈر اس احساس کے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ 'بیکر فیلڈ' ریسٹورانٹ کے مینیجر کی حیثیت سے بھتر فریضہ سرانجام دی سکتی ھے۔ جب وہ سور کے خشک و نمکین گوشت اور دو انڈوں کے بھترین پھلو کو اوپر رکھنے کا آرڈر جاری کرے۔ عورت ھونے کی وجہ سے وہ مورد الزام نہیں ھے کیونکہ میڈلن البرائٹ کی منتظمہ کی حیثیت سے خلاف قیاس کامیابی کا راز اس کی برتر ثقافت اور قدرتی صلاحیت کی مرھون منت تھی.

کسی بھی کارپوریشن نظام کے مرکزی کردار میں سیاسی طبقہ کے نمائندہ میں سے کوئی بھی پانچ منٹ کیلئے نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ اپنی کارگزاری اور حیاتیاتی ثبات قائم رکھنے کیلئے بڑی احتیاط کیساتھ اپنی لیڈرشپ پر کڑی نظر جمائے ھوتی ھے۔

گذشتہ صدی کا عظیم قانون پرست کارل شمٹ نے واضح کیا ھے کہ جدید دور کے بحران کا مطلب موجودہ نظام

کا آخری کھیل ہے. اور پیشگوئی کی کہ پرانے نظام کے ویرانے میں سے ایک نیا نظام 'نوموس' ابھر کر اٹھے گا. اس کا ظہور راتوں رات تو نہیں ہوگا لیکن اس کی ظہورپذیری ناگزیر ہے. پچھلی صدی کا معروف ترین فلسفی ہیڈیگر نے اس کا مشاھد کیا اور اس نے اس بات کی تلقین کی کہ یہ نظام مسیحی نہیں ہوگا. بیسویں صدی کا مشہورترین جرمن ادیب یونگر نے اپنی دوراندیشی سے اسے دیکھا اور اس نے مجھے بتایا کہ ان کے صوابدید کے مطابق ممکن ہے یہ نظام اسلام ہوگا. اس نے مجھے مزید بتایا: 'ہم یعنی مغربی معاشرہ محض رسول (صلی الله علیه واله وسلم) سے آشنا ہیں کیونکه ہم مسلمانوں کی تاریخ و ثقافت سے تو آگاہ ہیں مگر الله (جل شانه) سے واقف نہیں ہیں. جب لوگ الله کی شناخت حاصل کریں گے تب جاکر اسلام غالب آئیگا.' یہ توحید کا وہ شائسته درس ہے جس کو مسلمان جدت پسندوں نے خیرباد کہا ہے. خودکش حملے اس بات کی دلیل ہیں کہ بہت سے مسلمان اس یقین محکم سے عاری نظر آتے ہیں کہ مشکلات میں الله کی رحمت و قوّت شامل حال بن کر وسیله نجات بن جائیگی. جدت پسندوں کی کوشش رہی ہے کہ مغربی نظام کے ٹرین کیساتھ اپنی ویگن کو باندھے رکھیں حالانکہ وہ اس بات کے مشاھدے میں ناکامی سے روبرو ہیں کہ ان کی گاڑی پٹڑی سے اتر کر بربادی کی طرف رواں دواں ہے.

موجودہ بحران میں مسلمانوں کے علما شرمناک حد تک خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں. دبی میں علما کو اپنے جاھل حکمرانوں نے بے خردانه دولت کے بل بوتے پر خاموش کر دیا ہے. مصر میں ان کو اذیت و قتل کا نشانه بنایا جا رہا ہے. تیونس میں انکی اکثریت پابند سلاسل کر دی گئی ہے. بہت سے علماء نے وھابی انحراف کو اختیار کیا ہوا ہے جنھوں نے دوسری شہادت کو ہٹا دیا ہے اور اس طرح عجیب انداز میں اپنے آپ کو شیعوں کے ایجاد کردہ مذھب کا اتحادی پاتے ہیں. عراق کی مزاحمتی قوت، اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کے دنیا بھر میں کارکن اپنے آپ کو کچھ ایسی ہی متناقض صورت حال سے دوچار پاتے ہیں.

اس موقعه پر ہم اس کلاسیکل تعریف یعنی ایک دنیا فنا ہو رہی ہے اور دوسری بے بس ظہور پذیر ہو رہی ہے کا اعادہ کرتے ہیں. اسی دوران ہمیں اس اگلی دھائی کی تیاری کرنی ضروری ہے تاکه ایک جدید قیادت سے مزین نئی نسل پیدا کرے جو کہ بہترین صلاحیت والے افراد پر مشتمل ہوں نه کہ بدترین صفات والے. اور سلاسل نقشبندیه و قادریه پر عمل پیرا شیوخ کا یہی طریقه کار رہا ہے. امت مسلمه میں حکومتی اشرافیه کے اصول کے مطابق فتوی صادر کرنے کے مجاز صرف یہی ہیں اور یہی نئی زندگی کے بہاریں لائیں گے.

الله تعالی سوره نمل (۲۷:۹۳) میں فرماتا ہے:

93. وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَo

اور آپ فرما دیجئے که تمام تعریفیں الله ہی کے لئے ہیں وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دے گا سو تم انہیں پہچان لو گے، اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم انجام دیتے ہو.